Regd. No. A. 522
Telephone No. 29
Telegram: "ANJUMAN"

قیمت سالانہ ... روپے
فی پرچہ ... پیسے
تاریخ اشاعت

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر:- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - ۱۵ مئی ۱۹۵۷ء | شمارہ ۱۹

کتابوں کی نمائش

—— پربھاکر ماچوے

دلی میں پچھلے سال نومبر میں ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے مختلف ہندوستانی زبانوں کی، جو کشمیر سے لے کر کیرل تک اور کامروپ سے لے کر کچھ تک ملک کے طول و عرض میں بولی جاتی ہیں چودہ ہزار کتابوں کی نمائش کی گئی تھی۔ نمائش میں نادر قلمی نسخوں اور کتابوں کو ایک ایسا ذخیرہ پیش کیا گیا تھا جو ہندوستانی ادب کی ایک مسلسل اور مکمل تصویر پیش کرتا تھا۔

اکاڈمی کے نائب صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ۹ نومبر ۱۹۵۶ء کو نمائش کا افتتاح کیا۔ یہ اکاڈمی ۱۹۵۴ء میں قائم کی گئی تھی اکاڈمی کے مقاصد میں ادبی کاموں میں رابطہ پیدا کرنا، بلند ادبی معیار کو برقرار رکھنا اور ملک کی ثقافتی وحدت کو ترقی دینا۔ نمائش کے بارے میں جو کتابچہ شائع کیا گیا تھا اس میں معنی خیز الفاظ میں بتایا گیا تھا: "ہندوستانی ادب ایک ہے اگرچہ یہ مختلف زبانوں میں لکھا جاتا ہے۔ یہ رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ ہے یوں ان زبانوں میں امتیازی فرق نمایاں ہے اور اجنبی کو الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ مگر وہ رس رنگا ہوں سے ہندوستانی ادب کی بنیادی وحدت پوشیدہ نہیں۔"

بنیادی وحدت

ہندوستانی ادب کی کہانی کی ابتدا کچھ بھی ہو، خواہ اس کی ابتدا آریائی ویدوں سے کریں یا آریاؤں سے قبل کسی قدیم عوامی ادب سے، گزشتہ تین ہزار سال کے عرصے میں ہندوستانی ادب عام طور پر قدیم تصوف، دور وسطیٰ کی گہری جذباتی رومانیت اور دور جدید کی جدوجہد آزادی کی ہمہ گیر فضا میں پروان چڑھا۔ اس بنیادی وحدت کے اظہار کے لئے نمائش کو ان چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ رامائن، مہابھارت، کالی داس اور رابندر ناتھ ٹیگور۔ ان چاروں نے لسانی حدوں کو پار کر کے ہندوستانی ادب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ رامائن سیکشن، سری رام کی کانسی کی مورتی (قدیم چولا، دسویں صدی) کے قریب تھا جس میں رامائن کے مختلف نسخے رکھے گئے تھے۔ جیسے گیارھویں صدی کی تامل "کمبا رامائنا"، تیرھویں صدی کی آسامی "مادھب کندلی رامائن"، ایک ناتھ کی مراٹھی رامائن، پندرھویں صدی کی کرتی باسا کی بنگالی رامائن، سولھویں صدی کی ہندی میں تلسی داس رامائن اور اس کی مختلف تفسیریں۔ اس کے علاوہ والمیکی رامائن کا اصل سنسکرت نسخہ اور کم شہرت یافتہ کشمیری، سندھی، پنجابی اور اردو تراجم بھی تھے۔ برما، سیام، ویت نام اور تھائی پر اسٹرانز ہیم کی مشہور کتاب تھی جس سے انڈونیشیا میں رام کتھا کے اثرات کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح مہابھارت سیکشن میں قدیم ترین تیلگو مہابھارت، ہری داس کی آدی مہابھارت، موروپنت کی مراٹھی مہابھارت اور دیگر نسخے رکھے گئے تھے۔ بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ کا مہابھارت کا مستند ایڈیشن اور جاپانی اور روسی زبانوں میں مہابھارت کے تراجم بھی شامل تھے۔ کالی داس سیکشن میں کالیداس کے چار ڈراموں اور نظموں کے چار نسخوں کے تمام دستیاب تراجم کے علاوہ ولیم جونس کا شکنتلا کا قدیم ترین ترجمہ (۱۷۹۰ء) اور "رگھوونشا" کا لاطینی ترجمہ بھی تھا۔ "میگھ دوت" کے مختلف باتصویر نسخے اور اس کی بنیاد پر لکھے ہوئے اردو اور مراٹھی کے اسٹیج ڈراموں کی بھی نمائش کی گئی تھی۔ سنسکرت کی قدیم کلاسکی کتابوں کے علاوہ مختلف زبانوں کے سیکشنوں میں ان کے قدیم ادبی نسخے بھی موجود تھے۔ مثلاً ودیاپتی کی "بھگوت گیتا" (تیلگو)، سورج ساگر (ہندی)، راما چرترم (ملیالم)، شنکر دیو کی کیرتن (آسامی)، دنیا نیشوری (مراٹھی)، ترکرال (تامل)، دیوان غالب (اردو)

وغیرہ وغیرہ جین اور بدھ مت کی منتخب کتابیں بھی رکھی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بیرونی ممالک جیسے لنکا، انڈونیشیا، بالی، افغانستان، مشرقی ترکستان، چین، گلگت اور تبت سے حاصل کردہ سنسکرت کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ ہندوستانی رسم الخط اور جنوب مشرقی ایشیا، تبت اور وسط ایشیا کی ملتی جلتی لکھاوٹوں کا باہمی تعلق اور وحدت دکھانے کے لئے مخصوص قسم کے چارٹ تیار کئے گئے تھے۔

قلمی نسخے

اس نمائش میں زیادہ تر ہندوستانی زبانوں کی مطبوعہ کتابیں رکھی گئی تھیں۔ تاکہ جدید علوم کے بالمقابل ہندوستانی ادب کی ایک تصویر پیش کی جا سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک سو قلمی نسخے کی بھی نمائش کی گئی تھی۔ یہ نسخے عجیب و غریب چیزوں پر تھے جیسے بانس کی تیلی، تاڑ کا پتہ، سوا پتھر (ایک قسم کی گھاس سے تیار کردہ گدی) برچ کی چھال، اگورو کی چھال، کپڑا اور نیپالی کاغذ۔ یہ نسخے مختلف لکھاوٹوں میں تھے۔ سنسکرت کتابیں۔ جیسے راج ترنگنی اور گیتا، سارد ارسم الخط میں، تاڑ کے پتوں پر لکھے ہوئے مسودات وٹے لتو رسم الخط میں (جو عام طور پر پتھر پر لکھا جاتا تھا) گرنتھا، تیلگو، کرشیلا اڑیہ تیجی نکشارا، ملیالم، بنگالی اور آسامی لکھاوٹوں میں۔ نمائش میں داخل بعض قدیم نسخوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تبتی میں منجوشری کلپ، جین "کلا چاریہ کتھا"، "ورکلپ درتیہ" بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ سے آئے ہوئے قدیم ترین سنسکرت نسخوں (۱۳۲۰ء) کی عکسی تصویریں، مراٹھ واڑہ سے دستیاب مراٹھی میں الجبرا اور نجوم کی قدیم کتابوں (بارھویں صدی) کی عکسی تصویر۔ ملیالم سیکشن میں تاڑ کے پتہ پر راماکتھا، آسامی سیکشن میں بھگوت پران (سولھویں صدی) اڑیہ کے باتصویر قلمی نسخے خاص کر قابل ذکر ہیں تاڑ کے پتوں پر لکھے ہوئے گیت گووند، راس پنچ ادھیائے اوشاہرن اور ادپند بھنجا کی "چتر بندھا کا دیاس" کے باتصویر نسخے۔ تیلگو رسم الخط میں گیتا کا ایک نسخہ خاص طور پر دلچسپی کا مرکز تھا۔ یہ نسخہ تاڑ کے پتوں کی مالا کی شکل میں تھا۔ اس مالا میں ۱۸ دانے تھے جو تاڑ کے پتوں کو گول کاٹ کر خوبصورتی کے ساتھ بنائے گئے تھے اور ہر ایک پر خاص انداز میں گیتا کا ایک باب لکھا ہوا تھا۔

نادر کتابوں کی عکسی تصویروں میں ایک ایک صفحہ کی تصویریں شامل تھیں۔ مثلاً شیتی کنٹھا کی مہابیاپر کاشا (سترہویں صدی) اور قدیم کشمیری رسم الخط سارد ا میں رگ وید، مراٹھی سیکشن میں ڈاکٹر پربولکر سے مستعار داسوپنت کی پاسوڑی اور قدیم کوئی نسخے، بنگالی سیکشن میں اپ جان کی پہلی ڈکشنری (۱۷۴۳ء) اور ہندی سیکشن میں ملک محمد جائسی کی "پدماوت" کا قدیم نسخہ (۱۵۴۰ء) اس کے علاوہ نامور ادیبوں کے اصل خطوط، ان کی ڈائریاں اور مسودات بھی نمائش میں رکھے گئے تھے ان کے نام یہ ہیں: بنگالی کے ادیب ایشور چندر ودیا ساگر، مائیکل مدھو سودن دت، بنکم چندر چٹرجی، رابندر ناتھ ٹیگور، اور سرت چندر۔ تامل ادیب، سبرامنی بھارتی، مراٹھی ادیب، اپٹے، ہری آپٹے، گجراتی کے ویرتھیا، اور ڈھرود، ہندی ادیب، پریم چند، مہابیر پرشاد دویدی، رام چندر شکل اور دیگر حضرات۔ غالب کے کئی خطوط اور اشعار پر ان کی اصلاحیں بھی شامل تھیں، گاندھی جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب تھی جو بلاک میں چھپی ہوئی تھی اور ہند سوراج کا اصل نسخہ مجریہ ۱۹۰۸ء بھی رکھا گیا تھا۔ ٹیگور کے نام سروجنی نائیڈو کا ایک نادر خط اور ٹیگور کے نام گاندھی جی کے دو خطوں کی عکسی تصویریں نمائش میں شامل تھیں۔

پہلی مطبوعہ کتابیں:۔

پہلی مطبوعہ کتابیں سیرام پورمشن پریس کی تھیں۔ ان میں زیادہ تر گرامر، ڈکشنریاں اور انجیل کے تراجم شامل تھے مختلف زبانوں میں سب سے پہلے جو کتابیں طبع ہوئیں ان کی فہرست بہ تاریخ طباعت درج ذیل ہے:۔

آسامی:۔ انجیل کا ترجمہ ۱۸۱۳ء۔ بنگالی:۔ ہالی ہیڈ کی بنگالی زبان کی گرامر ۱۷۷۸ء۔ گجراتی:۔ فرہنگ ۱۸۰۸ء۔ ہندی:۔ فورٹ ولیم کالج کے طلبہ کے لئے مضامین ۱۸۰۲ء۔ کنڑ:۔ ڈکشنری ۱۸۳۲ء کشمیری:۔ انجیل کا ترجمہ ۱۸۹۹ء۔ ملیالم:۔ ویدارتھا سنگرہم (مطبوعہ ۱۸۴۷ء)۔ مراٹھی:۔ مراٹھی زبان کے نمونے، ۱۸۰۵ء۔ اڑیہ انجیل کا ترجمہ ۱۸۱۱ء۔ پنجابی:۔ انجیل کا ترجمہ ۱۸۱۳ء۔ تامل:۔ عہد نامہ قدیم کا ترجمہ ۱۸۱۴ء۔ تیلگو:۔ اے ڈی کیمپبل کی گرامر ۱۸۲۰ء اردو:۔ گرامر ۱۸۰۴ء۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی مبلغین اور دوسرے لوگوں نے کیسی محنت، صبر اور شوق کے ساتھ ہندوستان کی مختلف زبانوں، علاقائی، زبانوں اور بولیوں کا مطالعہ کیا، گریرسن کی کشمیری ڈکشنری، کٹل کی کنڑ ڈکشنری اور کینڈی مولسے ورتھ کی مراٹھی ڈکشنری لسانی تحقیقات کی اچھی مثالیں ہیں۔ نمائش میں کچھ چند زبانی کتابیں بھی رکھی گئی تھیں، جیسے گجراتی سیکشن میں "شبدا شاسن کلپ ترو" دس زبانوں کی ڈکشنری جسے سیئو اراؤ گیکواڑ بڑودہ نے ۱۹۳۱ء میں مرتب کیا تھا۔ اردو میں چھ زبانوں کی عجیب و غریب ڈکشنری مرتبہ شاہ جہاں بیگم (بھوپال) ۱۸۷۰ء زبانوں کے ہر ایک سیکشن میں ۸۰۰ سے لے کر ۱۵۰۰ کتابیں تھیں جنھیں مضمون وار ترتیب دیا گیا تھا۔

(آج کل)

براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیا کیجئے۔

ہماری زبان

۱۵ مئی ۱۹۵۷ء

لسانی اقلیتوں کا کمشنر جلد مقرر ہو

گزشتہ سال پارلیمنٹ نے لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے لئے متعدد سفارشات کی تھیں۔ دستور میں یہ ترمیم منظور کی گئی تھی کہ ابتدائی تعلیم لسانی اقلیتوں کی مادری زبان میں دینے کیلئے ریاستیں مناسب انتظام کریں۔ ثانوی تعلیم، اعلیٰ تعلیم، دفاتر اور عدالتوں میں لسانی اقلیتوں کی زبان کے استعمال کی بھی سفارش کی گئی ہے۔ ان سب باتوں کی دیکھ بھال کے لئے لسانی اقلیتوں کے ایک کمشنر کے تقرر کی بھی تجویز منظور ہوئی تھی۔ اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا مگر ابھی تک حکومت ہند نے اس کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں کی ہے۔ ضروری ہے کہ جلد کمشنر مقرر کیا جائے تاکہ وہ ریاستوں کا دورہ کرکے صورت حال کا جائزہ لے اور پارلیمنٹ کو رپورٹ کرے۔ اب تو انتخاب کا ہنگامہ بھی ختم ہو چکا۔ نئی حکومتیں بھی بن چکیں۔ نئی ودھان سبھاؤں اور لوک سبھا کا افتتاح بھی ہو چکا۔ صدر کے انتخاب کی رسم بھی پوری ہو چکی۔ اب نہ معلوم لسانی اقلیتوں کے مسائل پر کب توجہ ہوگی۔ کاش ارباب اقتدار کو کوئی غالب کا یہ شعر یاد دلا دیتا ؎

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

تاریخ ادب اردو

شعبۂ اردو کی تاریخ ادب اردو کی اسکیم کو اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ مارچ کے آخر میں ماہرین کی کانفرنس نے جو سفارشات کی تھیں ان پر مجلس ادارت نے غور کرکے تین جلدوں کا کام تقسیم کر دیا ہے۔ چوتھی اور پانچویں جلد کے لئے بھی عنقریب تقسیم کار ہوگی۔ اس عرصے میں سارے ملک میں اس اسکیم کا نہایت پرجوش خیر مقدم ہوا ہے اور مختلف حلقوں سے نہایت مفید اور سنجیدہ تجاویز بھی آئی ہیں۔ "ہماری زبان" میں اس سلسلے میں جو خط چھپے ہیں وہ بھی شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے سامنے ہیں۔ اس کام کو شروع کرتے ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ اردو کا دائرہ [illegible]۔ مشرقی پنجاب، مدراس، میسور میں بھی صدیوں سے رہا ہے۔ بہار میں تو اس سلسلے میں خاصا تحقیقی کام ہوا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جب یہ تاریخ شائع ہوگی تو نہ صرف اس سے اردو ادب کی بلندی اور عظمت کا اندازہ ہوگا بلکہ اس کے سارے ملک میں چلن اور رواج کا بھی۔ اس سلسلے میں سنجیدہ اور علمی تجاویز کے لئے ہماری زبان کے صفحات حاضر ہیں۔ خیال یہ ہے کہ اردو میں یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد اس کا خلاصہ انگریزی اور ہندی میں بھی شائع کیا جائے گا۔

رفتار کا کالم

رفتار کے سلسلے میں ہم اس اشاعت میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا ایک خط شائع کر رہے ہیں۔ موصوف نے درست کہا ہے کہ اب بحث اقدار و میلانات سے آگے بڑھ کر اشخاص و افراد تک پہنچ گئی ہے اور اس لئے اسے ختم کرنا ہی بہتر ہے۔ جلیل الرحمن اعظمی صاحب نے موجودہ دور میں لمبی لمبی ردیفوں اور مشکل قافیوں کی بھرمار کی طرف ادبی دنیا کی توجہ مبذول کرکے ایک مفید ادبی خدمت انجام دی ہے مگر اس بحث کے سلسلے میں جو نام آئے تھے ان کی موافقت اور مخالفت میں مضامین لکھنا، دراصل بحث کو بے جا طول دینا ہے۔ غزل میں جان واقعی انفرادی تجربے سے آتی ہے اور اس کے لب و لہجے اور تغزل کے آداب کی پرکھ آسان نہیں ہے۔ اس لئے اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری تھا۔ مگر اس بحث کے ذریعے سے بعض اشخاص کو خاص طور پر مقصود بنانا کسی طرح مناسب نہیں۔ دراصل یہ مرض بہت عام ہو گیا ہے۔ اچھا نقاد ایک ڈاکٹر کی طرح مرض کی طرف توجہ دلاتا ہے، چند مریضوں کے پیچھے لٹھ لیکر نہیں پھرتا۔ "ہماری زبان" کا مقصد ہر صحت مند رجحان کی حمایت اور ہر سطحی اور سستے میلان کی نفی کو واضح کرکے ذوق سلیم اور صالح ذہنی فضا پیدا کرنا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے معاونین اور ناظرین اس اہم مگر مشکل کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمایوں جاری رہے گا

میاں بشیر احمد صاحب نے لاہور سے اطلاع دی ہے کہ ہمایوں کو بند کرنے کا جب اعلان کیا گیا تو ہر طرف سے اس پر احتجاج کیا گیا اور اسے کسی نہ کسی طرح جاری رکھنے پر زور دیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمایوں اب بجائے ہر ماہ شائع ہونے کے سال میں ایک بار شائع ہوا کرے گا اور اس میں علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی مسائل پر مبسوط مضامین شائع ہوا کریں گے۔ ہم اس خبر پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ہمایوں کی افادیت اس طرح اور بڑھ جائے گی۔

رفتار

پروفیسر رشید احمد صدیقی

سرور صاحب مکرم، تسلیم!

"رفتار" کے عنوان سے "ہماری زبان" میں خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب نے ادبی و تنقیدی مضامین لکھنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ سنجیدہ حلقوں میں اچھی نظر سے دیکھا گیا اور سلسلے میں اعظمی صاحب، ہماری زبان اور انجمن ترقی اردو کو سراہا گیا۔ لیکن ادھر کچھ دنوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ پہلی سی وہ بات نہ رہی۔ جہاں تہاں عزیزوں اور دوستوں نے بددلی اور برہمی کا اظہار شروع کر دیا ہے۔ اس کے اسباب پر بحث کی جا سکتی ہے لیکن ایسا کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ بات بڑھے گی ختم نہ ہوگی! اس لئے کہ بحث کو مناسب حدود اور سطح پر رکھنے کے لئے جس تحمل اور توازن کی ضرورت ہے وہ ہم میں ایسا تو نہیں ہے کہ نہ ہو، البتہ کافی نہیں ہے۔!

مجھے آپ کے اس خیال سے پورا اتفاق ہے کہ ہم کو میلانات اور تحریکات کو نظر میں رکھنا چاہئے اشخاص کو نہیں۔ اشخاص کو نظر میں رکھنے کے لئے اکثر علمی و ادبی دیانت میں خلل آ جانے کا امکان رہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے "ہماری زبان" کا چاہے جس انجمن یا ادارہ سے تعلق ہو لیکن نکلتا وہ علی گڑھ ہی سے ہے اور ہم آپ جو اس کے چلانے کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں علی گڑھ سے بڑا گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے قدرتاً اس کو انھیں روایات کا پابند رکھنا چاہیں گے جو علی گڑھ کا ہمیشہ سے امتیاز رہا ہے۔ یعنی علمی و ادبی معاملات اور مسائل کے پیش کرنے اور پرکھنے میں صرف علمی اور ادبی اصول و اقدار کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

نظر بر ایں میری رائے ہے کہ اعظمی صاحب کی تائید یا مخالفت میں جو مضامین موصول ہوں یا تو ان کو آپ غیر ضروری اور غیر مفید باتوں سے نہایت جرأت کے ساتھ بغیر رو رعایت کے علیحدہ کر کے شائع کریں۔ ورنہ ناظرین کرام سے معذرت چاہتے ہوئے اس سلسلے ہی کو ختم کر دیں! گو بذات خود مجھے اس کا افسوس ہوگا کہ ایک اچھے اقدام کا یہ انجام ہو لیکن کیا کیا جائے۔ ہم میں کوئی نہ چاہے گا کہ ہمارے ہونہار اور اچھے لکھنے والوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بدگمانی و بیزاری پھیلے۔ اور اس کی ذمہ داری ہماری زبان، انجمن ترقی اردو یا علی گڑھ پر

ٹی۔ کوروپاناگی۔ ٹوکیو (جاپان)

مکرمی جناب جنرل سکریٹری صاحب۔ تسلیم۔

ابھی آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۹ اپریل موصول ہوا جس کا میں از تہہ دل مشکور ہوں۔ آپ نے تحریر فرمائی کہ انجمن کی مطبوعات کی فہرست علیحدہ بھیجی جا رہی ہے۔ جس کے لئے بھی میں نہایت ممنون ہوں۔

میں نے اب سے تقریباً بارہ سال قبل مدرسۃ السنۂ خارجہ ٹوکیو میں نورالحسن برلاس صاحب اور جاپانی پروفیسر آرگاموں سے زبان اردو کی تعلیم پائی تھی۔ میں فی الحال ٹوکیو یونیورسٹی برائے السنۂ خارجہ کے شعبۂ اردو میں بحیثیت اسسٹنٹ ملازمت کرتا ہوں اور ہفتے میں ۱۲ گھنٹے اردو پڑھاتا ہوں۔ مجھے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی کا علم بھی ہے۔

میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) انجمن ترقی اردو ہند کا انجمن ترقی اردو پاکستان سے براہ راست تعلق ہے یا نہیں؟

(۲) جیسا آپ کو معلوم ہے بھارتی دستور اساسی کی رو سے بھارت کی آئندہ سرکاری زبان ہندی ہوگی۔ جو جاپانی بھارت میں مقیم تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بھارت میں اردو زوال پر ہے یہ سن کر میں بہت غمگین ہوا۔ اس لئے میں بھارت میں اردو کی موجودہ حقیقی صورت حال اور مستقبل جاننا چاہتا ہوں۔

(۳) آپ کے نزدیک اردو کی بہترین لغت کیا ہے اور وہ کہاں سے شائع ہوئی؟

(۴) جنگ عظیم دوم کے خاتمے سے لے کر آج تک بھارت میں شائع شدہ اردو کتابوں میں سے اردو لسانیات اور ادبیات کے سلسلے میں قابل ذکر کتابیں کیا کیا ہیں؟

توقع ہے کہ آپ ازراہ مہربانی میرے حقیر سوالات کے تسلی بخش جواب دیں گے۔ امید ہے کہ مستقبل میں بھی آپ اردو کے متعلق میری مدد کریں گے۔

آخر میں آپ اور انجمن ترقی اردو ہند کی خوشحالی و ترقی کی دعا کرتا ہوں۔

---

* عابد کہا!

ہم اشخاص اور افراد کا بڑا لحاظ کرتے ہیں لیکن کیا کریں جب کسی آزمائش میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں تو اشخاص و افراد سے زیادہ اقدار کا لحاظ کرنے لگتے ہیں!

اردو دنیا

اردو میں حلف

دہلی ۱۰ مئی۔ لوک سبھا کے ممبروں نے آج ہندی، اردو اور انگریزی زبانوں میں حلف اٹھائے۔ ممبران کو اس بات کا موقع دیا گیا تھا کہ وہ ان زبانوں میں سے کسی بھی زبان میں حلف وفاداری اٹھائیں۔ جن ممبروں نے اردو زبان میں حلف اٹھایا ان میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی شامل ہیں۔ متعدد دوسرے ممبروں نے جن میں مسلم ممبروں کے علاوہ کچھ ہندو ممبر بھی شامل تھے اردو زبان میں حلف اٹھائے۔ کئی ممبران نے حلف وفاداری اپنی علاقائی زبان میں لیا مگر تعجب کی بات ہے کہ ایک ممبر شری جیت سنگھ سرسوتی نے بھی پنجابی میں، اور سردار بہادر سنگھ نے انگریزی میں حلف لیا۔ سردار حکم سنگھ نے ہندی زبان میں حلف لیا۔ ڈاکٹر سید محمود نے اردو زبان میں حلف لیا۔

آچاریہ کرپلانی نے حلف کے آخری الفاظ میں تبدیلی کرتے ہوئے کہا کہ میں آئین کے تحت اپنی ذمہ داری کو پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ حالانکہ الفاظ یہ تھے پورا کروں گا۔ حلف وفاداری کی رسم کے بعد ممبران نے قائم مقام اسپیکر سیٹھ گووند داس سے ہاتھ ملائے مگر ڈپٹی سوشلسٹ ممبر نے اسپیکر کو تہنیت دی۔

ہندی اور اردو میں ۴۰ فیصدی الفاظ مشترکہ ہیں

حیدرآباد ۱۰ مئی۔ مرکزی محکمہ تعلیم کے سکریٹری خواجہ غلام السیدین نے یہاں ہندی پرچار سبھا کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہر ہندوستانی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہندی سیکھے تاکہ ہندوستان کے جس حصے میں بھی وہ جائے اپنے آپ کو گھر میں ہی محسوس کرے اور اسے ان میں اجنبیت پیدا نہ ہوگی۔

انھوں نے کہا کہ ہندی والوں پر غیر ہندی لوگوں میں ہندی پھیلانے کی بھاری ذمہ داری ہے۔

اس مہم میں انھیں یہ محسوس نہ ہونے دینا چاہئے کہ ہندی دوسری زبانوں پر حاوی ہو جائے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی یقین دلانا چاہئے کہ ہندی کسی زبان کی رقیب نہیں ہے۔

خواجہ غلام السیدین نے کہا کہ ہندی کو ابھی اور ترقی پانا اور سیکھنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اسے ہندوستان کی دوسری زبانوں کے الفاظ اپنے میں سمو کے ان کے اتحاد کا ذریعہ بننا چاہئے

انھوں نے لسانی تعصب کے خلاف انتباہ کیا اور کہا کہ اس ملک میں اگر زبانوں کی بنیاد پر تعصب برتا گیا تو بہت سے چھوٹے پاکستان بن جائیں گے۔ اور یہ بات قوم کی زندگی کے لئے بہت مہلک ثابت ہوگی۔

ماضی میں جب ملک میں برٹش حکومت تھی۔ زبانوں کی ایکتا پر زور دینے کی بجائے جان بوجھ کر ان میں اختلاف پیدا کرائے گئے۔ لسانی تعصب خودکشی کے مترادف ہے۔ سب کو وجود باہم پر یقین رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی ترقی کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔

انھوں نے بتایا کہ زبان لوگوں کی عملی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں میں جذباتی اتحاد ہونا چاہئے۔

ہندی اردو اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان دونوں زبانوں کے چالیس فیصدی الفاظ مشترک ہیں ان میں امتیاز برتنے کی کوشش شرارت انگیز اور دانستہ ہے۔ ہندی اردو کا ایک ہونا چاہئے۔

ہندی پر مولانا حالی کا اثر

حیدرآباد ۱۰ مئی۔ پنڈت ونشی دھر ودیالنکار سابق صدر شعبہ ہندی ادب نے آج بتایا کہ ہندی ادب پر مولانا حالی کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔

پنڈت ونشی دھر نے آج شام ہندی پرچار سبھا کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں جس میں مرکزی وزارت تعلیم خواجہ غلام السیدین کو حاضرین سے متعارف کرا رہے تھے کہا: مولانا حالی نے جو مشہور مسدس لکھی تھی۔ اس کی طرز پر ہندی میں بھی راشٹر کوی نے بھارت بھارتی لکھی۔ علاوہ ازیں مولانا حالی کے مشہور کلام مناجات بیوہ کو دیوناگری رسم الخط میں چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔ یوں تو سنسکرت کی بیشتر کتابوں کا ترجمہ فارسی اور عربی میں کیا گیا لیکن مناجات بیوہ کو فخر حاصل ہے کہ اس کا سنسکرت میں ترجمہ کیا گیا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا حالی نے ہندی ادب پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے۔

امریکی تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم

امریکہ میں جدید زبانوں کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے اس نے امریکی تعلیمی ادارت میں غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ:

"امریکہ کے جو تعلیمی اداروں میں ہندی اور اردو پڑھائی جاتی ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی میں ام، ہارورڈ اور ائیل یونیورسٹی میں بالترتیب ۲۴ اور ۵۹ زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔ فرانسیسی زبان بر ونقرہ ہونے کے باعث ۵۰۹ اداروں میں، ہسپانوی ۸۹۶ میں، جرمن ۲۵۰ میں اور اطالوی زبان ۲۱۲ میں پڑھائی جاتی ہے۔ روسی زبان پانچویں درجے پر ہے اور ۸۳ اداروں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چینی زبان ۲۹ میں اور جاپانی ۲۰ میں سکھائی جاتی ہے۔"

اس سے واضح ہوا کہ امریکہ میں روس کی طرح اردو کو زبان کے درجے کی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں آزادی کے بعد اردو کے ساتھ یہاں جو سلوک ہوا اسے دیکھیے۔ حیدر آباد دکن میں چلتی ہوئی کامیاب اردو یونیورسٹی کو جب تک ہندی یونیورسٹی نہ بنا لیا۔ دوسرے لفظوں میں اسے شدھ نہ کر لیا کلیجوں پر سانپ ہی لوٹتا رہا۔ دوسری یونیورسٹیوں، کالجوں، سرکاری دفاتر اور کچہریوں کا جو حال ہے اسے کہاں تک بتایا جائے اردو اپنے گھر اردو علاقوں میں آج تک بارہ پتھر باہر ہے۔ فریاد تو ہے مگر داد نہیں۔ پہلے اس دیس میں ایک نیتا کی وزیر نے اردو کے کوئی زبان ہونے سے صاف انکار کیا تھا۔ اب پرانی اردو دشمن جماعتوں کے علاوہ نئی وجود میں آرہی ہیں اردو دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہیں۔ چنانچہ ابھی ایک نئی

سوبائی جماعت یوپی کے صدر نے بارہ بنکی میں دعویٰ کیا ہے کہ "اردو کوئی زبان ہی نہیں کیونکہ اس میں قواعد و الفاظ کے ذخیرے کا فقدان ہے۔"

بتائیے اس صریح تعصب کے سامنے کون پیش لے جا سکتا ہے مگر کیا اس دروغ اور دھاندلی کے سامنے حق سرنگوں ہو جائے گا۔

(ہماری آواز کانپور)

اسمگلنگ کے خلاف مہم میں اردو کی امداد

امرتسر ۱۰ مئی۔ روزنامہ ناظم راج چند رقمطراز ہے کہ ڈپٹی انسپکٹر جنرل بارڈر پولیس کمانڈنٹ پولیس کانسٹیبل پنجاب آرمڈ پولیس کی صدارت میں کل یہاں پر پولیس افسروں اور لینڈ کسٹم افسروں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں سرحد پر اسمگلنگ روکنے کے بارے میں غور کیا گیا۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اسمگلنگ کو روکنے کے سلسلے میں حکومت پنجاب نوٹیفکیشن، ایک آرڈیننس جاری کرے گی۔ اسمگلنگ کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرنے کے لئے اردو میں بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے جا رہے ہیں۔ ناجائز درآمد برآمد جاری رکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سرحد بہت طویل ہے۔

غزل

مشکل ہے اُس بُت کی قسمیں ۔۔۔ وہ بچی ہوئی ہیں۔ دل میں
کاش مرا دل ہوتا بس میں ۔۔۔ ورنہ اُس محفل کی رسمیں
اُس کا قرب یہ آئی جوانی ۔۔۔ اور جوانی کس کے بس میں
اک بھینی بے نام سی خوشبو ۔۔۔ شامل ہے ہونٹوں کے رس میں
خنجر سے تیشہ بہتر ہے گا ۔۔۔ وہ ظالم دو چار برس میں
ان پیروں سے کیا ہوتا ہے ۔۔۔ پھول ہیں کانٹوں کے بس میں
"لڑنا" اچھا لفظ نہیں ہے ۔۔۔ ملتی ہیں نظریں آپس میں
وعدے پر مجبور نہیں تم ۔۔۔ کیوں کھاتے ہو جھوٹی قسمیں
ہم الفت کو راز نہ رکھیں ۔۔۔ یوں ہی بن جاتی ہیں رسمیں
وقت انہیں جھٹلا دیتا ہے ۔۔۔ کھاتے ہیں سب سچی قسمیں
قسمت کے دونوں پہلو ہیں ۔۔۔ گل چمن میں کنج قفس میں
سہل نہیں دلچسپی لینا ۔۔۔ ہر بیکس ہے ہر بے بس میں

شاد جیسے شاعر کھاتے ہیں
اس کا "جھوٹا" اس کی "قسمیں"

شاد عارفی

۵۷ء کا یادگار مشاعرہ

پٹھانکوٹ ۱۰ مئی گزشتہ رات سناتن دھرم کالج میں بزم ادب پنجابی ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام جنگ آزادی کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں ایک شاندار مشاعرہ شری راجندر لال گرگ سب جج پٹھانکوٹ کی صدارت میں ہوا۔ جس میں پنجاب دہلی کے نامور شعرا جناب بیکل کشمیری، عرش ملسیانی، آنند جیت سود صاحب نکودری، بھگوان صاحب شاد، پورن سنگھ ہنر امرتسری، نند لال فیروزپوری، داس صاحب ہوشیارپوری، بھگوان داس شعلہ ایڈووکیٹ شری کشور چند تم داس پردیسی نے اپنا اپنا کلام سنایا جس کی بیحد تعریف کی گئی۔

معاصرین

اردو دشمن محاذ

جب کوئی لیڈر اردو زبان کے حق میں کچھ کہہ دیتا ہے تو فوراً ہماری قومی حکومت ٹھٹک جاتی ہے کہ اس کا ردعمل بھی ضرور ہوگا۔ زبانی جمع خرچ تو اردو کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا مگر اس کا ردعمل کافی نقصان پہنچا دیتا ہے۔ نہ معلوم یہ اتفاق ہے یا کچھ اور کہ جہاں اردو کے حق میں کسی کی زبان کھلی، اس کا جواب دینے میں ذرا تاخیر نہیں کی جاتی۔ بارہ بنکی میں اسٹیٹ ترن سماجیہ کار سنگھ کے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے اس کے صدر نے اردو کے خلاف جو گوہر افشانیاں کی ہیں وہ تنگ نظری، تعصب اور لسانی فسطائیت کا بدترین ثبوت پیش کرتی ہیں۔ ایک طرف اردو کی بے بسی ہے، دوسری طرف اردو دشمنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے جائز مطالبہ کو بھی "غیر قومی اور غیر جمہوری" قرار دیا جاتا ہے۔ جلسہ کے صدر نے اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگاتے ہوئے اردو کی حمایت کو سیاسی لیڈروں کے سر تھوپا ہے اور یہ گوہر افشانی کی ہے کہ اردو کو اترپردیش کے لئے علاقائی زبان بنانے کا مطالبہ غیر قومی اور غیر جمہوری ہے۔۔ اور اسی طرز کا ایک ریزولیوشن بھی منظور کیا گیا ہے کہ حکومت ہندی کو قوت سے نافذ کرے اور اردو کو علاقائی حیثیت بھی نہ دے۔ اگر اردو کی علاقائی حیثیت کا مطالبہ غیر جمہوری اور غیر قومی ہے تو اس دستور کی کیا حیثیت رہ جائے گی جس میں اردو کو ہندوستان کی علاقائی زبانوں میں شمار کیا گیا ہے؟ پھر وہ زبان غیر قومی اور غیر جمہوری کس طرح ہو سکتی ہے جس کی ترقی اور نشوونما میں مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں نے حصہ لیا ہو؟ کیا غالب کے نامور شاگرد تفتہ، پنچی نرائن شفیق، لالہ سری رام، منشی نولکشور، ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، سر تیج بہادر سپرو، تلوک چند محروم، سرشار، برق، جگت نرائن، آنند نرائن ملا، گوپی ناتھ امن ۔۔۔۔۔۔ فراق گورکھپوری وغیرہ وغیرہ جیسے ادیبوں اور مصنفوں کی خدمات کو بھلایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ قوم سے باہر اور جمہوریت کے دشمن ہیں؟ اگر حکومت کی پالیسی انصاف پر مبنی ہوتی تو آج اردو کو یہ باتیں نہ سننی پڑتیں۔ بہرحال اردو کے حامیوں کو اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ اردو دشمنی کا محاذ کمزور پڑ گیا یا اردو زبان کے لئے بعض لیڈروں کی حمایت سے ان کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ انہیں مایوس ہونے کے بجائے زیادہ تیزی سے قدم اٹھانا چاہئے۔ اگر مخالفت کی شدت میں مدافعت کا محاذ کمزور پڑ گیا تو یہ اردو کی شکست نہ ہوگی، بلکہ متحدہ قومیت کی مشترک کلچر کی، انصاف اور رواداری کی شکست ہوگی اور ہندو مسلم اتحاد کی آخری نشانی بھی ہندوستان سے رخصت ہو جائے گی۔

(الجمعیۃ دہلی)

بک ٹرسٹ

ملک میں اچھی معیاری اور مناسب دام کی کتابوں کی اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کے باعث حکومت نے بک ٹرسٹ کے قیام کی تجویز منظور کی ہے۔ یہ فیصلہ کئے ہوئے ڈیڑھ دو سال کی مدت گذر چکی ہے۔ لیکن ابھی تک ٹرسٹ نے اپنے کام کا آغاز نہیں کیا ہے۔ اس ٹرسٹ پر مختلف گوشوں سے اعتراضات بھی کئے جا رہے ہیں کہ حکومت کو یہ تجارتی کام انجام نہیں دینا چاہئے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ ٹرسٹ ملک کی چودہ زبانوں میں کس طرح اشاعت کا کام انجام دے سکے گا؟ یہ اعتراضات اصولی ہیں چونکہ عملاً ملک کو آج اچھی اور معیاری کتابوں کی سخت ضرورت ہے اور اچھی کتابوں کے مقابلہ میں غیر معیاری اور سستے مذاق کی کتابیں بہت زیادہ شائع ہو رہی ہیں جس سے قوم کے کردار اور ذہن پر بد اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ بعض زبانوں میں مثلاً اردو ہی کو لیجئے اچھی کتابوں کی اشاعت مسدود ہوتی جا رہی ہے۔ مصنفین کو یہ شکایت ہے کہ ان کی تصانیف کا معاوضہ برابر نہیں ملتا۔ ادیبوں کو یہ گلہ ہے کہ اہم موضوعات پر نئی کتابیں شائع نہیں ہوتی ہیں۔ جب تک کتابوں کی طباعت و اشاعت کا معیار ترقی نہ کرے بک ٹرسٹ کی ضرورت اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اب اس ٹرسٹ کی صدارت کے لئے مسٹر سی۔ ڈی دیشمکھ کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے صدر کی حیثیت سے مسٹر دیشمکھ اچھی کتابوں کی اشاعت کی اہمیت کو محسوس کر چکے ہوں گے۔ امید ہے کہ موصوف اس ٹرسٹ کے کاروبار کو جلد شروع کرانے پر توجہ کریں گے۔

(سیاست حیدرآباد)

کتاب دان

ناظم سیتاپوری

محترمی! تسلیم!!

ممنون ہوں کہ میری پیش کردہ تحریک "کتاب دان" کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ نے "ہماری زبان" میں افتتاحیہ تحریر فرما کر وقت کی ایک اہم ضرورت پر عوام کو توجہ دلائی — لیکن میں آپ کی اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ ہر تعلیمی ادارے اور پبلک لائبریری کتاب جیسے انمول "دان" کی مستحق ہے! میری تجویز کا اصل مقصد یہ تھا کہ انجمن ترقی اردو ہند کے موجودہ کتب خانے کو ایک ہندوستان گیر اردو لائبریری میں منتقل کر دیا جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے "کتاب دان" کی تحریک کا آغاز کر کے اردو کے اس ذخیرے کو محفوظ کر لیا جائے جو انقلاب ۴۷ء کے بعد سے اب تک برابر تلف ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے خدا بخش لائبریری، رضا لائبریری رام پور، مسلم یونیورسٹی لائبریری، کتب خانہ جامعہ عثمانیہ اور سالار جنگ اسٹیٹ میوزیم، جیسے اداروں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ افسوس کے ساتھ ہی ساتھ تعلیمی اداروں کو بھی اس کا مستحق قرار دیا ہے۔ جہاں تک ان پبلک اداروں کا تعلق ہے مسلم یونیورسٹی لائبریری اور خدا بخش لائبریری جیسے چند ہی ادارے ہندوستان میں باقی رہ گئے ہیں جن میں اردو کا مستقبل بظاہر روشن نظر آتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے وہ تعلیمی ادارے جو حق کے برسر اقتدار سیاست دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں وہاں عام طور سے "اردو کشی" کے جراثیم پھیل رہے ہیں۔ آپ کالجوں کی لائبریریوں میں اردو کتابوں کے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا جا رہا ہے اس کی مثال کسی متمدن ملک اور زندہ قوم میں نہیں مل سکتی ہے۔ اردو کتابیں خریدنے کا تو سوال ہی کیا؟ ان کی حفاظت اور جلد بندی کی ضرورت اس طرح پر کم کر دیئے گئے ہیں کہ یہ کتابیں اپنی موت آپ مرتی چلی جا رہی ہیں اور جیسے ہی اس قسم کی کتابیں بوسیدہ اور شکستہ ہو جاتی ہیں نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ انہیں "کیٹلاگ" سے خارج کر کے تلف کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات سننے میں آئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید "اردو کشی" کی یہ تحریک بہت ہی ضبط و اہتمام کے ساتھ ہندوستان میں خاموشی کے ساتھ چلائی جا رہی ہے۔

اب رہا دوسرے ایسے ادارے جو کسی نہ کسی طرح حکومت کے ہاتھوں میں پہنچ گئے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا کچھ سال ادھر ماضی کی طرف مڑ کر دیکھئے:

"بعض اخبارات سے یہ افسوسناک خبر ملی ہے کہ دارالترجمہ حیدرآباد کی کتابیں اصل قیمت سے پچیس فیصدی کم پر فروخت کی جا رہی ہیں۔"

(شذرات ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابتہ جنوری ۱۹۶۱ء)

حیدرآباد کا دارالترجمہ اردو زبان کا کیسا گراں مایہ ذخیرہ تھا اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں نے خود دارالترجمہ کی وہ "ردی" بمبئی اور حیدرآباد میں دیکھی ہے جو عام ردی سے بھی کم قیمت پر ٹاٹ کی لاٹ فروخت کی گئی تھی۔ یہی نہیں چند سال قبل اسی حیدرآباد دکن میں جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے پر جو کچھ بیتی۔ سنئے روزنامہ "شیراز" حیدرآباد دکن کی زبانی یہ بھی سن لیجئے:

"انتہائی افسوس اور سخت افسوس کا مقام ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی نادر و نایاب اعلیٰ کتابوں کا ذخیرہ جو نہ صرف عثمانیہ یونیورسٹی بلکہ اردو لٹریچر کی دنیا میں باعث فخر و ناز تھا ذمہ دار عہدے داروں کی لاپرواہی اور منتظمین کی عدم نگرانی کے باعث آن کی آن میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ اس عظیم الشان اور بے بہا کتب خانے کے جلنے کی اطلاع حقائق غیر سرکاری خبر ایجنسیوں کے ذریعے اخبارات میں شائع ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ زیر بحث کتابوں کے جلنے کی وجہ سے حکومت کو کم و بیش ایک لاکھ روپے کا نقصان ہوا لیکن اس سلسلے میں نہ تو محکمۂ اطلاعات سے کوئی وضاحت کی گئی اور نہ خود جامعہ عثمانیہ کی جانب سے ہی کوئی پریس نوٹ اخبارات کو دیا گیا۔ اس خاموشی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اتنی بڑی کا یہ واقعہ جامعہ عثمانیہ اور ریاستی حکومت

کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ کتابیں بیچنے کے لئے نہیں اور جل گئیں۔ وضاحت جب کی جاتی جب کوئی انہونی بات وقوع پذیر ہوتی۔ حیرت اور سخت حیرت اس بات پر ہے کہ اس علمی ذخیرے کا اندازہ ایک لاکھ کیا جارہا ہے اور طرفہ ماجرا یہ کہ اس نقصان کو حکومت کا نقصان کہا جارہا ہے۔ اہل علم کی برسوں کی دماغی کاوشوں کا سرمایہ کوئی ترکاری بھاجی نہیں جس کو تول کر قیمت ادا کی جائے اس لئے یہ کہنا کہ ایک لاکھ کا نقصان ہوا ایک مہمل خوش فہمی ہے اور یہ کہنا کہ حکومت کا نقصان ہوا مہمل بات سے مہمل تر ہے یہ نقصان حکومت کا نہیں بلکہ اہل علم کا۔ دنیائے علم کا ملک اور قوم کا نقصان ہے ربع صدی سے زیادہ مدت کی تلاش و کاوش سے جمع شدہ اس سرمایے کی قیمت کون لگا سکتا ہے۔ یہ سرمایہ دراصل آنے والی نسلوں کے لئے ایک ورثہ تھا جس کو ارباب متعلقہ کی لاپرواہی نے تباہ و برباد کر دیا۔ آج سے کوئی ۴۰ سال پہلے ۱۹۱۹ء میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ دنیا کی کئی مختلف علمی زبانوں کے منتخب سرمایۂ علم و ادب کو اردو میں منتقل کرنے کے لئے مشاہیر اہل علم کے خدمات حاصل کی گئی تھی تقریباً ربع صدی کی تلاش و تحقیق اور دماغی کاوشوں کے بعد عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ فرنچ اور جرمنی زبانوں کی کتابوں کے اردو ترجمے کئے گئے تھے ایک ایک کتاب کے ترجمہ کرنے اور پھر ان تراجم کو بامحاورہ اردو میں ڈھالنے کے لئے مہینے نہیں بلکہ کئی سال کی مدت صرف ہوئی تھی ـــــ اردو زبان کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہ سارا سرمایہ جل کر راکھ ہوگیا ظاہر ہے کہ اب یہ جلی ہوئی کتابیں واپس نہیں آسکتیں۔ لیکن حکومت کو چاہئے کہ وہ اس خصوص میں فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرکے خاطیوں کو سخت سزا دے اور حقیقی واقعات کو منظر عام پر لائے۔

(منصف روزنامہ، حیدرآباد دکن ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء)

جہاں تک مجھے یاد ہے آج تک حکومت نے اس سلسلے میں کوئی بھی کمیونک نہیں دی۔ اور اس حادثے کے متعلق جس کی بابت حیدرآباد میں عام افواہ پھیل گئی ہے کہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ حکومت نے کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔ انکوائری اور تحقیق کا ذکر ہی کیا؟ ان حقائق اور مشاہدات کو سامنے رکھ کر ہمیں "کتاب دان" کی تحریک کا آغاز کرنے سے پہلے قطعی طور پر یہ طے کرنا پڑے گا کہ ان حالات میں اردو کتابوں کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ مناسب ادارہ کون ہے تاکہ ہمارا یہ علمی سرمایہ اس شرمناک سیاست کاری کی نذر نہ ہو جائے جیسے واقعات عام طور پر سننے میں آرہے ہیں۔

اپنی "کتاب دان" کی تجویز میں یہی سب کچھ سوچ کر انجمن کی ایک عظیم لائبریری قائم کرنے پر میں نے زور دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس تحریک کو ہندوستان گیر پیمانے پر چلایا جائے اور انجمن کی شاخیں اس تحریک میں دلچسپی لے کر وقت کی بہت ہی اہم ضرورت کو پورا کریں۔

تمکین کاظمی

ہماری زبان بابتہ یکم مئی ۱۹۵۷ء میں "کتاب دان" کی تحریک بڑی اچھی ہے۔ بیشتر گھروں میں کتابیں دیمک کی نذر ہو رہی ہیں۔ پیوستہ سال ہی میں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اپنے پاس کی اکثر کتابیں میں نے کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری) حیدرآباد میں محفوظ کرا دی ہیں۔ اگر اور حضرات بھی اسی طرح مشہور کتب خانوں میں اپنی کتابیں محفوظ کرا دیں تو نہ صرف کتابیں محفوظ رہیں گی اور ان کی دیکھ بھال ہوتی رہے گی بلکہ علم دوست اصحاب ان سے فائدہ بھی حاصل کرتے رہیں گے۔

افسوس ہے کہ رسائل (ماہوار رسالوں اور مجلوں) اور گلدستوں کا ذخیرہ کسی ایک جگہ محفوظ نہیں ہے۔ اگر علم دوست حضرات اپنے پاس کے رسائل علی گڑھ یونیورسٹی یا انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں محفوظ کر دیں تو بڑا اچھا ذخیرہ فراہم ہو سکے گا میں اپنے پاس کے پرچے کتب خانہ انجمن ترقی اردو کو بھیج رہا ہوں انشاء اللہ قریب ہی جتنے پرانے رسائل اور گلدستے ہیں سب بھجوا دوں گا۔

شبلی کی صد سالہ یادگار کے طور پر ایک مستقل کتاب کی اشاعت کی تحریک بھی بڑی ہی ضروری ہے یہ کام دار المصنفین اور شبلی اکاڈمی کے تعاون سے دوسرے ادارے اور مشاہیر اہل علم مل کر کریں تو بہتر ہوگا ایک "شبلی نامہ" بڑا ہی نفیس تیار ہو جائے گا۔

امید ہے کہ یہ اوراق ادب اس کے متعلق غور فرمائیں گے۔

کراچی یونیورسٹی میں

دارالترجمہ و تالیف کا قیام

کراچی یونیورسٹی کے مجوزہ دارالترجمہ و تالیف کی ایک جماعت نے جو تیرہ افراد پر مشتمل ہے آئندہ پانچ سال کے لیے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ یہ ادارہ اپنے منصوبے کے مطابق انگریزی اردو، اردو انگریزی اور اردو کا ایک جامع لغت تیار کرے گا۔ اس لغت کے علاوہ یہ ادارہ علمی و فنی اصطلاحات کے آٹھ دوسرے لغات بھی مرتب کرے گا۔ ان لغات کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی مختلف شاخوں کے متعلق تقریباً ۱۵ ہزار صفحات پر مشتمل کتابیں بھی شائع کی جائیں گی۔ جو نصاب اور درسی تقاضوں کو پورا کریں گی۔ اردو زبان کی کلاسیکی کتابوں کو دنیا کی دوسری عظیم زبانوں میں ترجمہ کرنا بھی اس ادارے کا ایک اہم فرض ہوگا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے میں تقریباً چھ لاکھ چھپن ہزار روپے لاگت آئے گی۔ یہ اخراجات کراچی یونیورسٹی اپنے سالانہ بجٹ سے پورا کرے گی لیکن اس کے لیے حکومت سے بھی مالی امداد کی درخواست کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ ادارہ بہت جلد اپنا کام شروع کر دے گا اور اگر یہ کام پانچ سال میں مکمل ہو گیا جیسا کہ ادارے کے اراکین سے امید کی جاتی ہے تو یہ ہماری زبان و ادب کی بڑی خدمت ہوگی۔

(قومی زبان کراچی)

تین شعر

تری امید ترا انتظار جب سے ہے
نہ شب کو دن سے شکایت نہ دن کو شب سے ہے

کسی کا درد ہو کرتے ہیں تیرے نام رقم
گلہ ہے جو بھی کسی سے ترے سبب سے ہے

اگر شرر ہے تو بھڑکے جو پھول ہے تو کھلے
طرح طرح کی طلب تیرے رنگ لب سے ہے

فیض احمد فیض

انجمن کی خبریں

حیدرآباد دکن

انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی جانب سے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب معتمد انجمن نے خواجہ غلام السیدین صاحب سکریٹری وزارت تعلیمات حکومت ہند کا اردو ہال میں خیر مقدم کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں انجمن کے قیام کے بعد سے اس کی کارگزاری کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ اردو ہال کی تعمیر اور اردو کالج کے قیام اور اس کے اثرات کا ذکر کیا۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کی تقریر کے بعد خواجہ غلام السیدین صاحب نے تقریر فرمائی۔

آپ نے فرمایا کہ اردو کے مستقبل سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اردو بدل گئی ہے اور اب اردو کا کوئی مستقبل نہیں ان کے اس خیال کی تردید میں شہادت دیتا ہے اور یہ واقعات ہے

خواجہ غلام السیدین صاحب نے کہا کہ بظاہر ملک میں ادبی اور تہذیبی ترقی مادی ترقیوں مثلاً صنعت و حرفہ کے مقابلے میں کم نظر آتی ہے لیکن فی الحقیقت ادبی اور تہذیبی ترقی ایک ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں وہ بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہوتے۔ ادب اور تہذیب کی سرگرمیوں سے انسان کی پوشیدہ صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں اور ایک صالح زندگی گزارنے کے سامان مہیا ہوتے ہیں اردو کی خدمت کرنے والوں سے مخاطب ہو کر موصوف نے کہا کہ آپ جو کام کر رہے ہیں اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ آپ کو کسی معذرت خواہی کی ضرورت نہیں بلکہ جو دولت مند ہیں ان کا اس کام میں مدد دینا باعث شرف ہونا چاہیے۔ اردو زبان کو آسان اور سلیس بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے خواجہ صاحب نے کہا کہ کسی زبان کی کسوٹی تھوڑا ... یہ ہے اس کے بغیر ذہن میں بات اور قوت نہیں ہوتی مجھے تو کم از کم اردو کے مستقبل سے مایوسی نہیں۔ میں نے جب کسی ایسے علاقے میں بھی جہاں مادری زبان کے علاوہ عوام آسان اردو یا ہندی سمجھتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ×

× خواجہ غلام السیدین صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کام میں مقامی اور مرکزی حکومتوں کو امداد دینی چاہیے۔ آخر میں موصوف نے اس خیال کو بھی سے تعبیر کیا کہ اگر اردو ترقی کرے تو اس سے دیگر زبانوں پر اثر پڑے گا۔

براہ کرم دفتری خط و کتابت صرف جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کے نام بھیجیے۔

غیر معروف شعراء — مختار الدین احمد

(۴)

تجلیؔ دہلوی

تجلیؔ، میر محمد حسن کلیم کے بیٹے اور میر تقی میرؔ کے ہمشیر زادے تھے تذکرہ یکتا (نسخۂ لندن)، مجموعۂ نغز اور تذکرہ شوق میں ان کا نام میر محمد حسن، عمدۃ المنتخبہ، عیار الشعرا، تذکرہ صدر الدین آزردہ اور گلشن بیخار میں میر محمد حسین، سخن شعراء اور سراپا سخن میں میر حسن لکھا ہے۔ طبقات سخن مصنفہ غلام محی الدین مبتلا، عشق (نسخۂ برلین) میں میر غلام علی اور دستور الفصاحت میں نام میر حسن علی درج ہے۔ ان کا عرف 'میر حاجی' یا 'میاں حاجی' تھا تخلص تجلیؔ تھا لیکن عیار الشعرا میں حاجی تخلص بھی درج ہے گو میرے پاس جو دیوان کا قلمی نسخہ ہے اس میں یہ تخلص کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں اپنے عرف کی مناسبت سے وہ تخلص بھی حاجی کرنے لگے ہوں بعد میں اسے ترک کر دیا ہو۔ اس لئے کہ آخر میں تجلیؔ تخلص ان کے عرف پر بھی غالب آگیا تھا اور بقول صاحب مجموعۂ نغز لوگ انھیں 'میر تجلی' کہنے لگے تھے۔

حالات زندگی زیادہ معلوم نہیں۔ سپاہی پیشہ تھے اور یہی گزر اوقات کا ذریعہ تھا۔ شیفتہ نے لکھا ہے کہ باغ بیگم واقع چاندنی چوک میں قیام کرتے تھے۔ مصحفی اور خوب چند ذکا عرب سرائے ان کا مسکن بتلاتے ہیں۔ میرؔ کے شاگرد تھے اور مصحفی سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ تذکرۂ ہندی کی ترتیب (قبل از ۱۲۰۹ھ بعد از ۱۲۰۸ھ) کے وقت جب ان کی عمر ۴۰ سال کے قریب تھی دہلی میں موجود تھے۔ مجموعۂ نغز کی ترتیب (سال اختتام ۱۲۲۱ھ) سے پہلے وہ دہلی سے دیار شرقیہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ سال وفات معلوم نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ ۱۲۲۱ھ سے پہلے وہ فوت ہو چکے تھے۔

تجلیؔ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی صرف ایک ہی تحریر کا اب تک علم ہو سکا ہے اور یہ میر تقی میرؔ کا دیوان چہارم ہے جو تجلیؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور کتب خانہ ریاست محمود آباد میں محفوظ ہے۔

مصحفی نے انھیں فن ریختہ میں بے نظیر لکھا ہے، یکتا لکھتے ہیں: "بزعم راقم بعد میر سوائے مشار الیہ در کلام ہیچ کس یافتہ نمی شود حق این است کہ ہر چہ گفتہ خوب گفتہ ... غزلہائے بحر کامل اینچ شاعرے بہتر و خوشتر از او نگفتہ۔" خوب چند ذکا کی رائے ان کے کلام پر ہے: "چندے فکر شعر بطرز میر می کند۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں بسیار خوب گفتہ و تلاش تلاش نکار بردہ.. اشعارے کہ از فکر بلندش تراویدہ اثار بوئے استادی می آید و ناخن بدل است"

تصانیف میں ایک دیوان اردو اور مثنوی لیلیٰ مجنوں کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ اس مثنوی کا ایک پرانا نسخہ ۱۲۴۴ھ کا لکھا ہوا راقم کے پاس موجود ہے۔ جناب امتیاز علی عرشی کی اطلاع کے مطابق یہ مثنوی مولوی کریم الدین کے زیر اہتمام ۱۲۶۴ھ میں چھپ گئی ہے اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔

دیوان اردو کے نسخے کمیاب ہیں۔ راقم کے پاس دیوان تجلیؔ کا ایک قدیم نسخہ ہے۔ جو شاعر کی زندگی میں ۱۱۹۸ھ میں لکھا گیا ہے۔

مصحفی اور یکتا نے تجلیؔ کے دیوان ضخیم کا ذکر کیا ہے موجودہ دیوان کو ضخیم نہیں کہہ سکتے اس میں تقریباً دو ہزار شعر ہوں گے۔ ظاہراً دیوان کی دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت مختصر ہے اس میں صرف غزلیات ہیں، دوسری روایت میں بعد کا کلام بھی شامل کیا گیا اس میں دوسرے اصناف سخن مخمس، مسدس وغیرہ بھی ہوں گے جن کا بعض تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے (دیوان ملوکہ راقم میں کوئی مخمس یا مسدس موجود نہیں) اس عرصے میں کلام پر نظر ثانی اور اصلاح کا کام بھی ہوا۔ کچھ غزلیں اور اشعار

جو بعض تذکروں میں موجود ہیں۔ دیوان نسخۂ راقم میں موجود نہیں بشعار کی روایت میں بھی کہیں کہیں اختلاف ہے۔

تہمت عشق تجلیؔ پہ عبث رکھتے ہیں یار
وہ تو کوچے میں بھی اُس کے کبھو آیا نہ گیا

اس کی روایت بعض تذکروں : عیار الشعراء ، مجموعۂ نغز وغیرہ میں اس طرح ہے :

عشق یں کرتے ہیں بدنام تجلیؔ کو عبث
وہ بچارا کبھو اس کوچے میں آیا نہ گیا

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ، یہ اشعار دیوان تجلی نسخۂ راقم سے ماخوذ ہیں :-

اُڑا پھرے ہے غبار عاشقوں بچاروں کا
کہیں قرار نہیں اس کے بے قراروں کا
ہماری خاک سے تجھ لو وہ اور گل نہ اُگا
مرے پہ بھی نہ گیا ، داغ گل عذاروں کا
کسے فراق میں اس گل کے اتنی فرصت ہے
چمن جو دیکھیں تماشا تری بہاروں کا
ادب سے نام تمہارا تو کون لے پیارے
تمہاری تیغ کے سر خون ہے ہزاروں کا
عبث سیے ہے مرا ناصحا گریباں چاک
کب التیام ہو ان سینہ کے فگاروں کا
خط آیا حسن کو چلنے کا عزم ہے لیکن
غرور اب تئیں جاتا نہیں نگاروں کا
اگرچہ خو ہے تغافل تری پہ اے ظالم
کبھی تو حال سنا ہوتا اپنے ماروں کا
جفا سے ہاتھ اٹھاتے نہیں ہیں وے اب تک
خنا بھی کر چکے خوں ہم وفا کے ماروں کا
مبادا چھوڑے کوئی کشتہ تیرا دامن گیر
خدا کے واسطے مت سیر کر مزاروں کا

بہار آئی تجلیؔ تجھے جنوں نہ ہوا
کر خوش آیا تجھے زوال جو شبابوں کا

○

کیجیے جور جاں کنی ایجاد	جیتی کو وہ کہن کی ہوس برباد
کس کی گل ہے تو ہم اسیر رہے	فائدہ کیا جو اب ہوئے آزاد
بچھڑے یوں کر ہوے وہ خورشید	کریں طاعت نہ جب تلک ارشاد
دل شگفتہ کبھی نہیں ہوتا	غنچہ تصویر کا ہے یہ ناشاد
عشق کو خوش لگی ہے ویرانہ	ملک دل کس طرح رہے آباد
اب تو ملنا بھی تم نے ترک کیا	اس سے زیادہ کروگے کیا بیداد

دل سے اب تو ہمیں بھلایا ہے	ہم نہ ہوں گے تو کیجیے گا یاد
کل تجلیؔ چمن میں نالاں تھا	بلبلوں نے کیا اسے استاد

○

سارا دامن کیا ہے افشانی	چشم خوں بار کے ہنر دیکھو
عاشقو اس کے لب مسیحا ہیں	گر نہیں اعتبار مر دیکھو
شوق بس ہے دلیل کوچۂ یار	مت کوئی اور راہ پر دیکھو
در گزر پر تمہاری بیٹھے ہیں	یوں ہی شاید تم اک نظر دیکھو
جیب کی دھجیاں کروں تو بھی	ناصحو التیام کر دیکھو
ہے تجلیؔ کا ریختہ کیا خوب	چشم انصاف سے اگر دیکھو

○

غم سے آزاد کرو ہم کو بھی اب شاد کرو	خانۂ چشم کو پھر آن کے آباد کرو
ناصحا کیوں دیکھیں اتنی فراموشی کیا	اپنے مہجور بلاکش کو کبھی یاد کرو
قتل کرنے سے بھی ہوتی نہیں ہے خاطر جمع	اور بھی طرز جفا تم کوئی ایجاد کرو
شاعر دور ہے انداز سخن رکھتا ہو	چاہیے جل کے تجلیؔ کو تم استاد کرو

○

ماخذ :-

(۱) دیوان تجلیؔ دہلوی ، نسخۂ راقم مکتوبہ ۱۱۹۶ھ
(۲) تذکرہ صدرالدین آزردہ ص ۹۰ ، نسخۂ کرسچین کالج لکھنؤ ملوکہ راقم
(۳) تذکرہ عیار الشعراء ص ۷۷ - ۷۸ ، نسخۂ وزارت ہند لندن ، عکس ملوکہ جناب مالک رام
(۴) تذکرہ طبقات سخن مصنفہ غلام محی الدین مبتلا دہلوی نسخۂ مرتبہ
(۵) عمدۃ المنتخبہ مصنفہ اعظم الدولہ سرور دہلوی نسخۂ وزارت ہند لندن
(۶) دستور الفصاحت مصنفہ احمد علی یکتا ، مرتبہ جناب امتیاز علی عرشی